دوہے کے نئے ابعاد

غلام رسول خاور چودھری، پی ایچ ڈی اُردو۔ ناردرن یونیورسٹی نوشہرہ
پروفیسر ڈاکٹر منور ہاشمی، صدر شعبہ اُردو، ناردرن یونیورسٹی، نوشہرہ

Abstract:

Doha is something like "Matla" –opening couplet 0f a ghazal- characterized with spontaneity set in a particularly simplistic and pastoral life. Both of its lines rhyme with each other and they balance in weight. Doha enjoys a peculiar field of relevance. A definite form, specific inference and dedicated language make integral parts of a Doha. This beautiful genre of literature flourished in the hands of religious enthusiasts like Sofis, Sunnats, and Saadhus. However, this progress of Doha is heavily indebted to an all-times-active institution of our society called theatre proper.

Khawaja dil Muhammad played the most important role in the proclamation of "Doha" after the creation of Pakistan. His collection "Peet Ki Reet" was published in the specific tone of Doha. Later a book of Jameel o din aali came forward after some time. He made it famous and progressed it through "Mushairas". Many more poets came on the scene through his ignition and Doha got renowned in the sub-continent. Also some changes accrued in its formation. Dr. Faraz Hamidi and Dr. Manazir Harganvi promoted it by mingling it with other genres of literature. Doha poetry of three poets, Dr. Tahir Saeed Haroon and Mohsin Maleeh Abadi has been made topic of this article in particular. It has been tried to depict that the scope of Doha is powerful and this genere will continue to exist with importance in the future.

تلخیص

دوہا مطلع نما ہندی شعر ہے، جس کا لسانی ڈھانچہ سادگی، بے ساختگی اور زندگی سے متشکل ہوتا ہے۔ اس کے دونوں مصرعے مقفّیٰ ہونے کے ساتھ ایک مخصوص ہیئت اور وزن کے متقاضی ہیں۔ پھر موضوع کے اعتبار سے بھی دوہا کی خاص فضا ہے۔ گویا مخصوص ہیئت، خاص فضا اور متعین زبان ہی دوہا کو دوہا قرار دیتی ہے۔ اس خوب صورت صنفِ شعر کے فروغ میں جہاں صوفیوں، سنتوں اور سادھوؤں نے خدمات انجام دیں، وہاں معاشرے کے ایک فعال

ادارے تھیٹر نے بھی اس کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد دوہا کے فروغ میں سب سے اہم کردار خواجہ دل محمد کا ہے۔ ان کا مجموعہ "پیت کی ریت" دوہے کی مخصوص ہیت میں شائع ہوا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جمیل الدین عالی کی کتاب سامنے آئی۔ انہوں نے مشاعروں کے ذریعے اسے ترقی دی اور مقبولِ عام بنایا۔ ان کی تحریک سے کئی شاعر سامنے آئے۔ پاک و ہند میں دوہے کو مقبولیت ملی۔ اس کی ہیئت میں تبدیلیاں بھی ہوئیں۔ ڈاکٹر فراز حامدی اور ڈاکٹر مناظر ہرگانوی نے ادب کی کئی شاخوں کے ساتھ منسلک کر کے دوہے کو پروان چڑھایا۔ اس مضمون میں خصوصاً تین شاعروں: ڈاکٹر طاہر سعید ہارون، محسن ملیح آبادی اور ملک مشتاق عاجز کی دوہا شاعری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دوہے کے امکانات توانا ہیں اور مستقبل میں بھی یہ صنف اپنی حیثیت کے ساتھ موجود رہے گی۔

دوہے کے نئے ابعاد

ہندی شاعری کی مقبولِ عام صنف "دوہا" صدیوں تک ہماری شعری روایات کا حصہ رہی اور دانش و بینش کی کئی جہات اور منطقوں کو منور کر کے تہذیبی زندگی کا حصہ بناتی گئی۔ سادھوؤں، سنتوں، رشیوں، جوگیوں اور ہندو شاعروں کے ہاتھوں فروغ پانے والی اِس صنفِ سخن نے اگلے مرحلے میں مسلمان صوفیا اور شاعروں کے دستِ ہنر سے سربلندی حاصل کی اور یُوں ایک مضبوط شعری قدر کے طور پر دونوں قوموں کے یہاں پوری آب و تاب کے ساتھ متمکن ہو گئی۔

دوہے کو جہاں مصلحین و مبلغین نے بطور ابلاغی آلہ استعمال کر کے لاکھوں دلوں کو ارتقا آشنا کیا؛ وہاں شاعروں نے بھی بڑا رنگ جمایا۔ کیسوداس، تلسی داس، بہاری داس، بھگت کبیر اور بابا گرونانک کی دوہا بانی اور فکری رَس لوچ ہماری سماعتوں میں آج بھی رس گھولتا ہے۔ اسی طرح بابا فریدالدین مسعود گنج شکر، بوعلی شاہ قلندر، امیر خسرو، ملک محمد جائسی، میرابائی جی اور عبدالرحیم خانِ خاناں کے دوہے ہمارے خیال و فکر کے ساتھ ساتھ جذب و عمل کے لیے بھی مہمیز کا کام دیتے ہیں۔

ماضی میں طویل عرصہ تک اس صنف کو چندر بردائی سے جوڑ کر بنیاد گزاری کا سہرا اس کے سر پر سجایا جاتا رہا۔ اس شاعر کا تعلق لاہور کے بھاٹ خاندان سے تھا۔ وہ کسی طرح پر تھوی راج چوہان کے دربار سے منسلک ہو گیا تھا۔ اس کی تصنیف "راجا راج راسو" کے ضمن میں بیان ہوتا ہے کہ وہ ایک لاکھ پنکتیوں (مصرعوں) پر مشتمل ہے۔ جہاں جہاں پر تھوی راج اور سنجوگتا کماری کے عشق کا تذکرہ ہوا، وہاں وہاں اس نے دوہا کی صنف اختیار کی۔ حافظ محمود شیرانی نے تاریخی عوامل کی بنیاد پر اس کتاب کو جعلی اور منسوب قرار دیا ہے۔ اُنھوں نے اس کتاب پر تنقید کرتے ہوئے

واضح کیا کہ جنگ کے احوال میں غلو سے کام لیا گیا اور ساتھ ہی مسلمان جنگجوؤں کے بارے میں غلط باتیں منسوب کی گئیں۔

بعض محققین نے سادھو سرہپا کوی کو دوہے کا پہلا شاعر تسلیم کیا ہے۔ بعضوں کے نزدیک شکنتلا کے مصنف کالی داس اس صنف کے بانی ہیں۔ اس بحث میں سنسکرت اور پراکرت کی قدامت کا سوال بھی موجود رہا ہے۔ ان محققین نے یہ تسلیم کیا کہ کالی داس کے یہاں شکنتلا میں دونوں زبانیں موجود رہی ہیں۔ ہمارے یہاں بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کو اُردو دوہے کا پہلا شاعر مانا جاتا ہے۔

دوہا غزل کے مطلع سے مماثل ہے۔ اس کے دو مصرعے ہوتے ہیں، جو چار حصوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ ہر مصرع کا پہلا جزو 13 ماتروں (یک حرفی آوازوں) پر مشتمل ہوتا ہے، پھر وقفہ ہوتا ہے اور وقفہ کے بعد 11 ماترائیں ہوتی ہیں۔ اس طرح ایک مصرع 24 ماتروں کو محیط ہو جاتا ہے اور مکمل دوہا میں 48 ماترائیں ہوتی ہیں۔ ماضی میں مختلف ماتروں کے حامل دوہے کہے جاتے رہے، تاہم بتدریج اس کا وزن مخصوص ہو گیا۔ دوہا عَروضی صنفِ سخن کہلاتا ہے۔ اس کا ہیئتی ڈھانچہ اسے باقی اصنافِ نظم سے ممتاز کرتا ہے۔ عروضی صنفِ سخن کہلانے والا دوہا اپنی معجز بیانیوں کے باوصف راجستھان میں اس قدر پُر تاثیر رہا کہ وہاں کی خواتین اپنے شوہروں کی چتاؤں پر بخوشی راکھ ہو جایا کرتی تھیں اور سورما میدانِ جنگ میں سینوں پر برچھیاں کھاتے۔ جنگ اور محبت کے ان رقبوں کے علاوہ شخصیت سازی میں بھی دوہے کا اعجاز دکھائی دیتا ہے۔

دوہا فکری، نظریاتی اور لسانی اعتبار سے بہت ثروت مند ہے۔ اس میں زندگی اور متعلقاتِ زندگی کے تمام موضوعات سموئے گئے ہیں۔ زندگی کا کوئی ایک منطقہ بھی ایسا نہیں، جہاں تک دوہا کی رسائی نہ ہوئی ہو۔ مذہب، اخلاقیات، تہذیب و تمدن، علم و عمل، حسن و عشق، لوبھ، عمومی معاشرت، سُر سنگیت سمیت فرد کی داخلی و خارجی زندگی کے ہزارہا مظاہر و امکانات دوہے کا جزو رہے ہیں۔ آج کی جدید زندگی اور اس کو درپیش مسائل و مصائب کا بیان ہو یا حسن و خیال کی رعنائیاں، ہر ایک دوہے میں خوش سلیقگی سے جگہ پا چکی ہیں۔ فنی اعتبار سے دوہا ایک زرخیز صنفِ سخن ہے۔ اس کے عروضی اور ہیئتی خط و خال جہاں اسے دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں، وہاں اس کی نموپذیری اور ارتقا کی ضمانت بھی دیتے ہیں۔ اس کی ایک مخصوص معجزاتی فضا ہے، جس میں شاعر اپنے فکر و خیال، نظریات و جذبات اور باہمی زندگی کے پس منظر و پیش منظر کو سمو کر جب قاری کے سامنے پیش کرتا ہے، تو ایک لمحہ میں ہی اُس کے دل میں جا گزیں ہو جاتا ہے۔

پاکستان میں اس کی ابتدا خواجہ دل محمد کی کتاب ''پیت کی ریت'' سے ہوتی ہے۔ یہ کتاب قیام پاکستان کے فوراً بعد شائع ہوئی۔ بعد ازاں جمیل الدین عالی اس صنف کی شہرت کا سبب بنے۔ اُنھوں نے دوہا کی مخصوص بحر ''دوہا چھند'' کی بجائے ''سرسی چھند'' کو فروغ دیا۔ پاکستان میں بالعموم اُن کی پیروی کی گئی۔ البتہ انڈیا میں عموماً ''دوہا چھند'' کو ہی اختیار کیا گیا۔ انڈیا سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر فراز حامدی نے دوہا کو نئے رجحان سے روشناس کرایا۔ اُنھوں نے اس صنف میں متعدد ہیئتی اور صنفی تجربات کر کے اسے قبولِ عام کے درجے تک پہنچایا اور عالمی سطح پر شہرت دلوائی۔ ان کی پیروی میں سیکڑوں شعرا نے ان تجربوں میں شمولیت اختیار کر کے دوہے کی حیاتِ نو میں کردار ادا کیا۔ انڈیا ہی سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے بھی دوہا کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان شاعروں نے صنفِ دوہا میں: ''دوہا حمد، دوہا نعت، دوہا غزل، دوہا گیت، دوہا نظم، دوہا قطعہ، دوہا سانیٹ، دوہا ترائیلہ، دوہا نظمِ معریٰ، دوہا چار بتی، دوہا دو بتی، دوہا مسدس، دوہا مخمس، دوہا مثلث، دوہا توشیح اور دوہا تلخی'' جیسی اصناف و ہیئات اور صنعتوں کے تجربات کیے۔

پاکستان میں خواجہ دل محمد اور جمیل الدین عالی سے سفر شروع ہوا؛ جو ہمارے آج کو محیط ہے۔ ان کی تحریک سے ڈاکٹر الیاس عشقی، ڈاکٹر عرش صدیقی، پرتو روہیلہ، مشتاق چغتائی، ڈاکٹر طاہر سعید ہارون اور خیام العصر محسن اعظم محسن ملیح آبادی جیسی توانا آوازیں دوہے کی گونج میں شامل ہوئیں۔ ان شاعروں نے دوہا کے فروغ میں اتنا کام کیا، کہ یہ دوہا کی شناخت بن گئے اور دوہا ان کے ناموں سے سر بلند ہوا۔

ہندوستان میں ڈاکٹر فراز حامدی دوہے کے مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پاکستان میں اس صنف کی نشاۃ ثانیہ کا سہرا پروفیسر ڈاکٹر طاہر سعید ہارون کے سر ہے۔ انھوں نے سب سے زیادہ مجموعے دیے۔ ہیئت اور موضوع کے اعتبار سے بھی ان کے یہاں تنوع ہے۔ انھوں نے بیک وقت دوہا چھند اور سرسی چھند کو اپنایا اور دوہے کی پوری فضا کو اپنی شاعری میں سمو دیا۔ زبان و بیان کے تناظر میں بھی اور فکر و خیال کے اعتبار سے بھی اُن کا دوہا روایات میں گندھا ہوا ہونے کے ساتھ ساتھ استقبال پر کمند ڈالتا ہے۔ ان کے بعد محسن اعظم محسن ملیح آبادی کا نام آتا ہے۔ اُنھوں نے حال ہی میں 5 ہزار کے قریب دوہوں کی کلیات پیش کی۔ نئے منظر نامہ میں ایک نام ملک مشتاق عاجز کا بھی ہے؛ جن کا مجموعہ "سمپورن" اپنے مزاج اور زبان کے لحاظ سے قابلِ توجہ ہے۔

ہندو شاعروں کے یہاں دوہا جہاں مذہب کی اکائی میں رچ بس جاتا ہے؛ وہاں اس پر سنسکرت کا غلبہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ یہی اثر مسلمان شاعروں کے یہاں بھی نمایاں ہوتا ہے۔ تقسیمِ ہندوستان کے بعد یہ صورتِ حال زیادہ زور پکڑ جاتی ہے۔ ایک قابلِ توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ انگریز کی آمد کے ساتھ ہی دوہا بتدریج پس منظر میں چلا جاتا ہے اور

اس کا نیا ظہور اُردو زبان میں پاکستان سے ہوتا ہے۔ محض ذائقہ کے لیے ماضی سے کچھ مثالیں پیش کی جا رہی ہیں تا کہ موجود منظر نامہ سے ان کے انسلاک کا اندازہ ہو سکے۔

چندر بردائی:

"سرس کاویہ رچنا رچوں کھل جن سنن ہسنت/ جیسے سیندھور دیکھ مگ سوان سو بھاؤ بھسنت"(۱)

شاعر اپنی عظمت بیان کرتے ہوئے معاصرین کے بارے میں کہتا ہے: میری پُر معنی شاعری پر پست خیال یُوں ہنستے ہیں جیسے کتے ہاتھی پر بھونکنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

تلسی داس:

"کرت بت کہی انج سن من سیاروپ لبھان/مکھ سروج مکرند چھب کری مدھب ایوپان"(۲)

تلسی داس رامائن کے اس منظر میں سری رام چندر جی کی حالتِ عشق یوں بیان کر رہے ہیں: وہ بظاہر اپنے بھائی سے باتیں کر رہے ہیں مگر دھیان اُن کا سیتا جی کی جانب ہے۔ گویا وہ شہد جیسے رُخ کو بھنورے کی طرح چوستے ہوں۔

کیشوداس:

"کیشو کیس اس کری جس اری ہوں نہ کرہیں/چندر بدن مرگ لوچنی " بابا " کہہ کہہ جائیں"(۳)

شاعر نے بڑھاپے پر افسوس کرتے ہوئے بتایا کہ پُری رُخوں اور ہرن چشموں نے انھیں سفید بالوں کے باعث "بابا" کہا۔ یُوں بالوں نے دشمن سے زیادہ دشمنی کی۔

بہاری داس:

"کہت نہ دیور کی کوبت کل تیہ کلہ ڈرات/ پنجر گت منجار ڈھگ سکلوں سوکھت جات"(۴)

شریف گھرانے کی بہو جھگڑے کے خوف سے دیور کی شرارتوں کو چھپا جاتی ہے؛ اندر ہی اندر گھلتی ہے اور حقیر چڑیا کی طرح سوکھ جاتی ہے۔

متی رام:

"چلت لال کے میں کیو سجنی ہو پشان/ کہا کروں در کت نہیں بھرے بیوگ کہ شان"(۵)

کرشن جی کی جدائی میں دل پتھر ہو گیا ہے؛ حالاں کہ اذیت ناک جدائی میں سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔

امیر خسرو:

"پی کے چرنوں آت ہے، اور کر مٹھی کے بیچ/صورت ہے اشنان کی، گارا نہیں نہ کیچ"(۶)

یہ دراصل پہیلی ہے اور "اینٹ" کے تحت شامل ہے؛ اس سے نیت مراد لی گئی ہے۔

کبیر داس:

"ہیرا وہی سراہیے، سہے گھنن کی چوٹ/کپٹ کرُنگی مانوا، پرکھت نکسا کھوٹ"(۷)

میرا بائی:

"میرے تو گردھر گوپال، دوسرو نہ کوئی/جا کے سر مورے مکٹ، میرو پتی سوئی"(۸)

سید غلام نبی بلگرامی رس لین:

"مکت بھئے گھر کھوئے کے، کانن بیٹھے جائے/گھر کھووت ہیں اور کو، کیجو کون اپائے"(۹)

جعفر زٹلی:

"جعفر! اب کیا کیجیے، جوبن چلیا روس/پھیر نہ آوے جوبنا، لاکھوں دیجے گھوُس"(۱۰)

ان دوہوں سے جہاں دوہانی کا رَس لوچ اور تاثیر سامنے آتی ہے؛ وہاں اس کے مضامین کے تنوع اور بو قلمونیوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اُس عہد کے شاعروں نے زندگی اور متعلقاتِ زندگی کے بیشتر رُخوں کو دوہے کی شال پر یُوں ٹانکا کہ حسن و خیال کی رعنائیوں سمیت فکر و وجدان کی خوش سلیقگی کا سامان مہیا کر دیا۔ فرد اور معاشرہ کے باہمی انسلاک کے لیے دوہا سے جو کام لیا گیا، وہ کسی اور صنفِ سخن میں نظر نہیں آتا۔

قیامِ پاکستان کے بعد پہلا مجموعہ خواجہ دل محمد کا "پیت کی رِیت" ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس مجموعے میں شاعر نے اسلامی افکار کو پراچین بھاشا کے ساتھ معرب و مفرس زبان میں پرو دیا۔ ماضی کی دانش و بینش کے ساتھ حال اور استقبال کے امکانات و ادراکات کو بھی دوہے کا حصہ بنایا۔ ان کے دوہوں کا ایک الگ جہان ہے۔ فی الحقیقت یہ مجموعہ ماضی اور استقبال کے درمیان ایک ایسا پُل ہے، جسے نکال دیا جائے تو دونوں زمانے کٹ جاتے ہیں۔ یہ دو مثالیں دیکھیں:

"یُوں ہوتا یُوں کیوں ہُوا؟ پڑی کام میں ڈھیل/اندھا کہے "دکھاؤں میں، سورج کو قندیل

"سَر پَٹ دُلکی پوئیا، سَو سَو چال چلائے/آنکھیں بندھی کمیت کی، مالک نظر نہ آئے(۱۱)

جمیل الدین عالی دوہا نگاری کی تحریک کا نام ہے۔ اُنھوں نے مشاعروں میں دوہے پڑھے اور قبولِ عام کے درجے پر فائز کیے۔ خواجہ دل محمد کے برعکس انھیں زیادہ پذیرائی ملی۔ دوہا چھند سے اغماض برتتے ہوئے اُنھوں نے

سرسی چھند شعار کیا۔ ان کی مقبولیت کے بعد پاک و ہند کے بعض ناقدین نے ان کے دوہوں پر وزن کے باعث اعتراضات بھی کیے لیکن پاک و ہند میں ان کے وزن کو مقبولیت بھی ملی۔اُوپر درج کیے گئے پاکستانی شاعروں میں سے اکثر نے سرسی چھند بھی اختیار کیا۔ موجود منظر نامے پر بھی ان کا رنگ چھلکتا ہے۔ عالیؔ کی دوہا نگاری ان کی ذات کا اشاریہ ہے۔اُنھوں نے جہاں اپنی کتھا بیان کی، وہاں جگ بیتی کو بھی اپنے دوہوں کا حصہ بنایا:

"ہر اک بات میں ڈالے ہے ہندو مسلم کی بات / یہ نا جانے الھڑ گوری پریم ہے خود اک ذات

حیدرآباد کا شہر تھا بھیاّ اندر کا دربار / ایک ایک گھر میں سو سو کمرے، ہر کمرے میں نار"(۱۲)

ہندوستان میں ڈاکٹر فراز حامدی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ندا فاضلی، ڈاکٹر ودیا ساگر آنند، شمیم انجم وارثی اور شاہد جمیل دوہا کو ثروت مند بنانے میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ پاکستان میں ڈاکٹر عرش صدیقی، ڈاکٹر محمد الیاس خان عشقی، پرتو روہیلہ، مشتاق چغتائی، امین خیال، تاج قائم خانی، رفیع الدین راز، شجاعت علی راہی، رفیع الدین راز اور جمیل عظیم آبادی نے اس صنف کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

ندا فاضلی اور ڈاکٹر ودیا ساگر آنند کے یہاں موضوعات کا تنوع اور بیان کی ندرت اس بات کا اشارہ ہے کہ دوہا کا مستقبل تاب ناک و توانا ہے۔ ایک ایک مثال دیکھیں:

"تالا، چابی، چٹخنی، دروازہ، دیوار / ایک دوجے کے خوف سے بنا ہے یہ سنسار"(۱۳)

ودیا ساگر آنند:

"سڑکیں سُکڑی ہو گئیں، گلیاں ہیں خم دار / اپنے گھر کو ڈھونڈنا مشکل ہو گیا یار"(۱۴)

حالیہ برسوں میں پروفیسر ڈاکٹر طاہر سعید ہارون نے ۱۳ ہزار سے زاید دوہے اور ۱۲ دوہوں کے مجموعے دے کر اس صنف کو ایک نئی شان عطا کی ہے۔ گزشتہ سال دوہے کا ایک مجموعہ "دوہا آرام" منظر پر آیا۔ خیام العصر محسن ملیح آبادی کا یہ مجموعہ پانچ ہزار دوہوں کو محیط ہے۔ ملک مشتاق عاجز کا "سمپورن" بھی حالیہ برسوں میں سامنے آیا۔ ان تین پاکستانی شاعروں کے یہاں جمیل الدین عالی کا رنگ نمایاں ہے۔ آخر الذکر نے وزن کے معاملے میں عالیؔ کی روش ہی اختیار کی، جب کہ پہلے دو شاعروں نے سرسی چھند کے ساتھ ساتھ دوہا چھند کو بھی خوب صورتی کے ساتھ برتا۔

ڈاکٹر طاہر سعید ہارون زود گو اور باکمال شاعر ہیں۔ ان کے یہاں فکر و فن باہم آمیخت ہو کر ایک نیا جہان تعمیر کرتے ہیں۔ سرسی چھند سے ان کی دوہا نگاری کا آغاز ہو کر دوہا چھند پر تکمیل آشنا ہوتا ہے۔ شروع میں وہ عالیؔ کی روش پر چلتے ہیں اور پھر بتدریج دوہا چھند اپنا لیتے ہیں۔ ان کی دوہا بانی سے جو منظر اُبھرتا ہے، اُس کے مطابق طاہر اس عہد کا وہ دوہا نگار ہے، جس نے حقیقی معنوں میں دوہے کے جمال و جلال میں اضافہ کیا۔ اس کی زبان کو ثروت مند بنایا۔

اس کے موضوعات کو توسیع دے کر اس کی رفعت میں اضافہ کیا۔ نئے نئے مضامین پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ دوہا ایک عظیم الشان صنفِ سخن ہے اور اس میں کسی بھی دوسری صنف کے مقابل آنے کا حوصلہ موجود ہے۔ اس کی سطوت اور شان و شوکت محض ہندی لفظیات پر قائم نہیں ہوتی یا محض بھگتوں اور صوفیوں کے مضامین سے اسے قوت نہیں ملتی، بلکہ اس میں ہر مضمون سما کر بہت بلند ہو جاتا ہے۔ طاہر کے دوہوں کی ایک شان یہ بھی ہے کہ ان میں ایجاز واختصار نے جو رُوپ دھارا ہے وہ دو مصرعوں میں بلا کی کشش رکھتا ہے اور پھر بڑے سے بڑا مضمون کمال ہنر مندی کے ساتھ قلم بند ہوا ہے۔ طاہر لفظ کی حرمت سے بخوبی واقف ہیں، چنانچہ اُن کے یہاں الفاظ رفعت پاتے ہیں اور فکر کی تفہیم میں نمایاں چمکاؤ پیدا کرتے ہیں۔ ذیل میں اُن کی تمام کتب میں شامل موضوعات کا خاکہ دیا جا رہا ہے۔ جس سے اُن کی وسعت نظری اور فکری بلندی کا اندازہ ہو گا:

۱۔ من موج: سرسی چھند میں لکھی گئی یہ کتاب ۱۶۸ صفحات کو محیط اور سات دیے گئے عنوانات پر مشتمل ہے: ''مولا شان، پیارا سائیں، اپنی ماٹی، پون جھکورے، گیان دھیان، دھنک رنگ اور ہنستی کلیاں۔''

۲۔ نیلا چندرماں: یہ کتاب ۱۶۸ صفحات اور ۱۱۴ ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں بھی سرسی چھند اختیار کیا گیا ہے ۔اس کے عنوانات کچھ یوں ہیں: ''وہ بیٹھا آکاش، کالی کملی والا، کہتا ہے قرآن، میرا سوہنا دیس، سندرتا کے روپ، من لاگی ہے آگ، سویا جاگ فریدا، روئے بھگت کبیر، بولے شاہ حسین، تن من تیرے ھو، بلھے شاہ تو کون، ساگر کتنا گہرا، دریا دریا موج اور بھیتر نیر بہائے۔''

۳۔ پریت ساگر: پریت ساگر شاعر کا تیسرا مجموعہ ہے۔ یہ دوہا چھند میں ہے۔ یہ مجموعہ ۱۸۰ صفحات کو محیط ہے اور اسے ۱۰ دیے گئے سرناموں میں تقسیم کیا گیا ہے: ''الکھ ذات، مدنی سرکار، اپنی بگیا، کوملتا، بیاکلتا، کبرا کہے، بلھار نگ، سوچ فریدا، گیان دھیان اور دھنک۔''

۴۔ من بانی: ۱۸۰ صفحات کا حامل یہ مجموعہ ۹ عنوانات میں منقسم ہے اور سرسی چھند میں ہے۔ لیکن اس میں کہیں کہیں بشرام کا التزام بھی ہے۔ یہ کیفیت دوہا چھند کے ذائقے سے آشنا کرتی ہے۔ سرنامے ملاحظہ ہوں: ''اکلا مولا، سچل سائیں، دھرم پُستک، میری دھرتی، جوبن رُت، من اگنی، سُچے موتی، بھولا بالک اور موج بہار۔''

۵۔ میگھ ملہار: ۲۷۹ صفحات کو محیط اس مجموعے میں ۱۷ عنوانات سجائے گئے ہیں، جو کچھ یوں ہیں: ''پالنہار، سوہنا سائیں، کسوٹی، سندر دیس، روپ سروپ، برہا اگنی، گیان رنگ، بھگت کبیر، واصف علی واصف، دریا ساگر، من بگیا، پنچھی نگری، بالپن، پھلجھڑی، لہریں، دوہا غزل اور عشق۔'' یہ مجموعہ دوہا چھند میں ہے۔

۶۔ بھور نگر: سر سی چھند میں کہا گیا ''بھور نگر''شاعر کا چھٹا مجموعہ ہے۔ یہ ۱۹۵ صفحات کا احاطہ کرتا ہے، جبکہ اسے 21 عنوانات میں منقسم کیا گیا، جو یہ ہیں: ''حمد، نعت، قرآن، وطن، سندرتا، برہا، نوحہ، ساگر، بگیا، پنچھی نگری، ماں، بچے، مزاحیہ، متفرق، گیان، رحمان بابا، خوشحال خان خٹک، میاں محمد بخش، واصف علی واصف اور دُعا۔''

۷۔ پریم رس: دوہا چھند میں کہی گئی یہ کتاب ۲۰۸ صفحات کو محیط ہے اور ۱۲ عنوانات میں تقسیم ہوئی ہے، جو اس طرح سے ہیں: ''بخشنہار، کملی والا، پارکھ، دیش، سندرتا، پریت، بجوگ، اپدیش، کرنیں، ترنگ، گرو، ادبی چوپال۔''

۸۔ کُوک: ''کوک'' ڈاکٹر طاہر سعید ہارون کی آٹھویں کتاب ہے اور دوہا چھند پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۷۶ صفحات کا احاطہ کرتی ہے اور ۱۳ عنوانات میں منقسم ہے، جو یہ ہیں: ''حمد، نعت، دیس، سندرتا، پریت، بیاکلتا، لوبھ، چٹکلے، پھلواری، من جوتی، طاہر جی، پھلجھڑی اور دعا۔''

۹۔ من دیپک: ''من دیپک'' بھی دوہا چھند میں ہے۔ اس کی ضخامت ۲۱۲ صفحات ہے۔ یہ کتاب ۲۷ ذیلی عنوانات میں منقسم ہے، جو یہ ہیں: ''حمد، نعت، قرآن، دعا، دیس، گیان، جھوٹ سچ، ناری، من رانجھنا، بجوگ، مایا موہ، پاپ، ناگ، جل ساگر، دھرتی، اماوس، چاندنی، پھلواری، پنکھ پکھیرو، گاؤں، غریب، چرخہ، سُرتال، کوِتا، چٹکلے، طاہر جی اور چھانٹ۔''

۱۰۔ نیناں درپن: ۱۹۱ صفحات اور ۳۱ موضوعاتی ابواب کو محیط نیناں درپن سرسی چھند میں ہے۔ عنوانات ملاحظہ ہوں: ''حمد، نعت، قرآن، دیس، سندرتا، پریت، برہا، صوفی رنگ، کیا ہوتا، طاہر جی، مزاحیہ، بگیا، پنکھ پکھیرو، متفرق، دعا، چاند، سورج، پُروا، بھور، کوِتا، سپنے، لوبھ، گاؤں، راگنی، ماں، غریب، ساگر، بنجارہ، بینہا، سچ اور جگنو۔''

۱۱۔ رُوپ کرن: ۱۶۷ صفحات کو محیط یہ کتاب ۲۳ ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے، جو یہ ہیں: ''حمد، نعت، قرآن، اسلام کی دین، دعا، میرے پاکستان، پریت، روپ، جدائی، جیون، گیان، انیائے، غریب، نیتا، عزم، پھول کے کانٹے، بَن، رُت، پنکھ پکھیرو، آس، آکاس، متفرق اور ماں۔'' یہ کتاب بھی دوہا چھند میں ہے۔

۱۲۔ جیوتی: یہ کتاب ۲۵۵ صفحات کا احاطہ کرتی ہے اور اس میں ۵۶ ذیلی سرنامے دیئے گئے ہیں۔ طاہر سعید ہارون کی زندگی میں شائع ہونے والی یہ آخری کتاب ہے۔ یہ بھی دوہا چھند میں ہے اور اس کے موضوعات کچھ اس طرح سے ہیں: ''پالنہار، سرکار، کسوٹی، نبی کے بول، دعا، ماں، دیس، جگ یاترا، دھرتی، آکاس، ساگر، سنسار، بگیا، پنچھی، سندرتا، مترائی، برہ، پریت، اپریت، گوہار، گیان، جیوتی، اندھیارا، کرنی، من، مان، سلن، سچائی، جھوٹ، نیائے، مایا موہ، کامنا، سپنے، جوگی، درویش، اپدیش، ودیا، بہروپ، درپن، بھید، جیون، جوبن، جیرنی، ناری،

بند ھکی، ڈھوبری، غریب، ہیرے، پنے، پاتھر، گھوڑوا، کُوکر، دل لگی، سُرسنگیت، محاوراتی دوہے، مزاحمتی دوہے، پھوکٹ دوہے۔''

یہ کتاب ایک طرح سے تکمیلی رنگ ہے۔ یہاں شاعر نے نقطۂ کمال تک پہنچنے کا ایک طرح سے اعلان کر دیا ہے۔ موضوعات کا تنوع اس بات کی علامت ہے کہ اُنھوں نے ہر مضمون کو اپنے تئیں الگ باب میں باندھ دیا ہے۔ لیکن مطالعے سے ثابت ہوتا ہے، کہ موضوعات سیکڑوں ہیں اور یہ عنوانات اُن کی پوری ترجمانی نہیں کرتے۔ البتہ ان عنوانات سے ایک واضح رُخ ضرور متعین ہو جاتا ہے۔ یہاں عنوانات نسبتاً صاف اور آسان کر دیے گئے ہیں، جو مندرجات تک رسائی میں پوری معاونت کرتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر مزید کسی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

طاہر کی بو قلموں جہات کے کچھ رنگ دیکھیں؛ زبان کی نیر نگیاں بھی ہیں اور افکار کی وسعت آشنائیاں بھی۔ بھاشا عربی اور فارسی نے جو منظر بنایا ہے؛ وہ قلب و نظر کو شکار کرتا ہے:

پالک تُو سنسار کا تُو ہے سمیع بصیر / تُو حی القیوم ہے قادر اور کبیر (۱۵)
شبنم کی اک بوند میں درپن کئی ہزار / پھول جدھر بھی دیکھتا اپنی روپ بہار (۱۶)
آپس میں کیا دشمنی کاہے کا گوہار / آؤ مل کر بانٹ لیں لوگو نت کا پیار (۱۷)

محسن اعظم محسن ملیح آبادی:

محسن ملیح آبادی کا شعری کینوس بسیط، بو قلموں اور ہشت ذائقہ ہے۔ اُنھوں نے جہاں اُردو اَدب کی روایتی اصناف اور ہیئتوں کو اپنے فکری منطقوں کے ہمرکاب رکھا، وہاں نسبتاً غیر معروف اور ایک لحاظ سے مشکل اصناف کو بھی نوکِ زباں کیا۔ یہ تخلیقی عمل محض منھ کا ذائقہ بدلنے کے لیے نہیں جاری رکھا، بلکہ کامل فنی انہماک، روایتی فکری استغراق اور اعلیٰ علمی و ادبی قدروں کی مکمل پاسداری کے ساتھ پیش قدمی کی۔ اُنھوں نے شعر اور فنِ شعر کے جملہ لوازم کو روبراہ کیا، بلکہ ان کی وسعت اور تاثیریت میں اضافے کا بھی کماحقہٗ اہتمام کیا۔ اکتیس سو سے زیادہ رباعیات اور آٹھ ہزار کے لگ بھگ دوہے اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ ایک طرف جہاں لوگ رُباعی کے فنی تقاضے نبھانے سے گھبراتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ اس میدان میں جم کر رہنا کارِ محال ہے، وہاں محسن ملیح آبادی خیام العصر کا لقب پا لیتے ہیں۔ دوہا بانی کی عظیم روایات اور دوہا چھند کی مخصوص بندشیں اور مشکلیں جہاں عمومی شعری منظر نامے کے لیے کوہِ گراں ثابت ہوتی ہیں، وہاں محسن کے یہاں قدیم بانی کی مکمل بُو باس اور رَس جس کے ساتھ جدید ہندی لفظیات کا ایک بے بہا ذخیرہ ہماری سماعتوں میں مٹھاس بھرتا چلا جاتا ہے۔

خدائے لم یزل کے حضور اور بار گاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں ہدیۂ شعر پیش کرتے ہیں تو آٹھ ہزار کا ہندسہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ غزل اور نظم کا چہرہ چمکانے کی دُھن میں نکلتے ہیں تو تیس ہزار کے قریب شعر کہہ ڈالتے ہیں۔ یہ فنکارانہ مہارتیں اور فکری چابک دستی اُن کی چھے دہائیوں سے زائد ریاضت اور مشقت کا حاصل ہے۔ اُنھوں نے فنِ شعر کو اپنے خون سے تابناک کیا۔ یہی نہیں بلکہ اُن کے فکری اور فنی منطقوں میں اصلاحِ زبان، قواعدِ زبان اور نکاتِ شعر جیسے علمی کارناموں سمیت گہری انتقادی روشوں کا استقلال بھی شامل ہے۔ ساتھ ہی تاریخ دانی اور اسلامی مضامین پر دسترس الگ سے کارنامہ ہے۔ گویا محسن ملیح آبادی کی علمی جہتیں، فنکارانہ قد اور شعری قامت بے مثال ہے۔ فی زمانہ شاید ہی کوئی ادیب اس قدر ہمہ جہت، رمز آشنا اور دولتِ تاثیر سے مالا مال ہو۔

محسن ملیح آبادی کا ذہنِ رسا حقیقی معنوں میں زمانوں کو چمکانے والا ہے۔ اُن کی فنی تابش اور فکری خوشبو کئی جہانوں کو محیط ہونے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ کیونکہ اُن کا شعری منظر نامہ محض لفظوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ایک لفظ اپنی پوری روایت، مکمل فنی پس منظر اور کامل ندرت کاری کے ساتھ نشست جماتا ہے۔ دوسری جانب شعر کے تمام تر فنی تقاضے ساری خوب صورتیوں اور جملہ خوبیوں کے ساتھ مملو اور معمور ہو کر قاری کے سامنے ٹھہرتے ہیں۔ جذبہ اظہار کے قرینے میں سجتا ہے تو گویا کوئی داستان صنائع و بدائع کی سلطنتوں کو اسیر کرتے ہوئے آگے ہی آگے نکل جاتی ہے اور اپنی پشت پر ہزار رنگ کی دھنک چھوڑ جاتی ہے۔ جہاں ہر رنگ اور ہر زاویہ قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

اس بسیط و عریض تناظر میں جب محسن ملیح آبادی کی دوہا نگاری کا مطالعہ کیا جائے تو احساس کو ہزار گونا طمانیت اور شادکامی کا پھل ملتا ہے۔ اُنھوں نے باسٹھ برس فنِ دوہا کی آبیاری کی اور اس خاموشی سے کی کہ دوہا پر لکھنے والے معدودے چند لوگوں کی نظروں میں نہ آسکے۔ یہ حیرت انگیز ہی نہیں قابلِ توجہ بھی ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ اَب '' دوہا آرام '' کے نام سے پانچ ہزار دوہوں پر مشتمل کلیات سامنے لائے ہیں تو یقیناً دوہے کے ناقدین اپنی لاعلمی پر آنکھیں چراتے ہوں گے۔ بہر حال یہ ایک زاویہ ہے۔

یہ کلیات چار مجموعوں: ''دُوہا پر ندھام، جیون دھام، رُوپ ندھان'' اور ''دُوہا اُدیّان'' پر مشتمل ہے۔ ان مجموعوں میں اُنھوں نے دوہا چھند اور سرسی چھند کو اختیار کیا۔ آخر الذکر کو محسن نے دوہے کی مفروضہ بحر قرار دیا اور اوّل الذکر کو مستند۔ وہ اس خیال کے حامی ہیں کہ دوہے کے مفروضہ اوزان کو قبول کر لینا چاہیے۔

ہیئت اور بحر کے معاملے میں جہاں تنوع محسن کو مرغوب ہے، وہاں مضامین کی بوقلمونیوں کی طرف بھی اُن کا گہرا جھکاؤ ہے۔ ان کا فکری آسمان رنگا رنگ ستاروں سے آباد ہے۔ کہکشاں در کہکشاں پھیلتی چلی جاتی ہے۔ ذرا یہ منظر دیکھیے، جو اُن کے علمی مرتبے کا دیباچہ نگار ہے۔ موضوعات کی یہ ہمہ رنگی ان کی فکری و فنی مہارتوں پر دال ہے۔

دوہا آرام کے شاعر نے :'' خیالات ، تصورات، احساسات ، مدرکات، مؤثرات، معقولات، منقولات، مسموعات، نظریات ، مابعد الطبیعات، عرفانیات، روحانیات، شعوریات، لاشعوریات، عقلیات ، اعتقادات، مکشوفات ، سیّآت ، حَسَنات ، احکامات، حَسَانات ، مکروہات ، جذبات ، جمالیات، جنسیات، ہیجانات،تعیشات، لمسیات، لذّات ، کیفیات ، مادیات، تغیرات، انقلابات، سیاسیات، انتظامات، جدلیات، حیات، ممات، نزاعات و مناقشات، مسکرات، مکافات، فلزّلات، نبات، شجرات، خضری و حضرات، فواکہات، ادویات و اثرات، دولت و امارات، غربت و افلاس ، محنت و مشقت، ظلم و بربریت، آلام و مصائب، اور بہت سے دیگر عنوانات کے تحت اپنامافی الضمیر پیش کیا۔''

اس اشاریے سے اُن کی فکری وسعتوں اور تناظرات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُنھوں نے دوہے میں ایسے موضوعات کو بھی سمو دیا ہے، جنھیں عموماً توجہ نہیں دی جاتی۔ محسن کے دوہوں کی زبان کلاسیکیت اور جدیدیت کے امتزاج کے باوصف ایک امتیازی شان کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ ماضی میں بعض دوہا کویوں نے خصوصیت کے ساتھ دوہے کی روایتی بانی کو برتا۔ کچھ نے اس سے معمولی انحراف کر کے اسے وسعت دی۔ بعضوں نے اس سے پوری طرح اغماض برتتے ہوئے جدید اُردو کو ہی اپنی فکر سے ہم آہنگ کیا۔ محسن کا تفوق یہ ہے کہ اُنھوں نے دوہا بانی کی روایت میں جہاں جدید اُردو کو سمویا ہے، وہاں جدید ہندی لفظیات کو بھی فنکارانہ مہارتوں اور لسانی خوبیوں کے ساتھ اختیار کیا۔ محسن کی دوہا بانی ثروت مند بھی ہے اور تاثیریت سے لبریز بھی۔ ان کی شاعر سے جو منظر اُبھرتا ہے، وہ کچھ یوں ہے:

۱۔ محسن اعظم محسن ملیح آبادی، ڈاکٹر طاہر سعید ہارون کے بعد دوسرے دوہا نگار ہیں، جنھوں نے مقداری اعتبار سے تفوق و امتیاز حاصل کیا۔

۲۔ ان کے دوہوں کا ہنر کئی منطقوں تک پھیلا ہوا ہے اور ہر منطقہ اُن کی قادر الکلامی کا شہادت گزار ہے۔

۳۔ ان کا لسانی شعور پختہ اور توانا ہے، جس نے ماضی، حال اور مستقبل کو تابش عطا کی ہے۔

۴۔ ان کے لسانی تجربوں نے دوہوں کو بوقلموں اور ہشت ذائقہ بنا دیا ہے۔

۵۔ قدیم بھاشا، اُردو اور جدید ہندی کے اختلاط سے جو لسانی ڈھانچہ اُنھوں نے تشکیل دیا، کسی دوسرے دوہا نگار کے یہاں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

۶۔ اُنھوں نے دوہے کی لفظیات کو استادانہ شان اور فنکارانہ مہارتوں کے ساتھ برت کر سرزمینِ دوہا کو ثروت مند کیا اور نئے لکھنے والوں کے لیے ایک سمت بھی متعین کر دی۔

۷۔ ان کے دوہوں میں تاریخ کی آمیخت، حال کی جلوہ سامانیاں اور مستقبل کے امکانات پوری طرح عکس فگن ہیں اور ان کے سائے سے جہانِ تازہ کی تعمیر کا قوی امکان ہے۔

۸۔ مضامین، اوزان اور بیان کی وسعت نے ان کے دوہوں کو ایک استنادی اور مکتبی شان بھی عطا کر دی ہے، جو ایک لحاظ سے دوہا بانی میں نیا باب بھی ہے۔ ان سے قبل الیاس عشقی نے یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔

۹۔ اُنھوں نے دوہا بانی کو لسانی شعور اور سائنسی اُصولوں پر استوار کر کے ایک طرح سے زبان کی بھی خدمت کی ہے۔ دوسری جانب صحتِ الفاظ کی جانب توجہ دوہا نگاروں کو بھٹکنے سے روکتی ہے۔

۱۰۔ نادر موضوعات سمیت کمتر اور حقیر سمجھے جانے والے موضوعات کی جانب محسن نے توجہ مبذول کر کے یہ ثابت کر دیا کہ قادر الکلامی کا ہتھیار موجود ہو تو مضامین خود بخود بلند ہونے لگتے ہیں۔

۱۱۔ موضوعات کی ہمہ گیری، بیان کی بوقلمونی، احساسات و جذبات کی ہشت رنگی، ابلاغ کی ترسیل و تکمیل اور ہیئت کی خوش سلیقگی، محسن ملیح آبادی کو اپنے ہم عصروں میں بلند تر مقام عطا کرتی ہے۔

اس تناظر میں اگر ان کے دوہوں کا مطالعہ کیا جائے تو حیرتوں اور لطافتوں کے کئی در وا ہوتے چلے جاتے ہیں ۔اُنھوں نے ایک ایک موضوع پر مستقل کئی دوہے کہہ کر نظم کی روایات کو تابندہ کیا ہے۔ قوافی کے التزام میں غزل کا حسن یوں رَچایا ہے کہ غزل کی پوری روایت بھی چھلکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ صنائع وبدائع، استعارہ و تشبیہ، تلمیح و تمثیل اور علامت کی خوش رنگیوں کو فصاحت و بلاغت کا پیرایہ عطا کر کے گویا ایک نیا جہان آباد کیا۔ ان کے دوہے حقیقی معنوں میں جداگانہ تشخص قائم کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

محسن اعظم محسن ملیح آبادی کا دوہا نگاری کے باب میں ایک خاص امتیاز یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے اُردو دوہے کی منظوم تاریخ دوہا بند کر دی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اُنھوں نے اپنے خاندان، احباب، اداروں، عامۃ الناس، ملک اور قوم کو تاریخی اعتبار سے دیکھ پرکھ کر دوہوں کا موضوع بنایا ہے۔ اشیا کے خواص کی تفہیم، چیزوں کی ہیئت کی نشاندہی اور مخترع کاروں کی کارگزاریاں بھی ان کے دوہوں میں سمائی ہیں۔ یہ انتہائی غیر معمولی اور جسارت آمیز کام ہے۔ یہاں محض جذبوں کی فراوانی کام نہیں آتی، بلکہ عقلی استدلال، ثباتِ شعور، ارتکازِ فکر و نظر اور فروغِ حیات کی نیرنگیوں سے دل بستگی اور اظہار کا دامن بھرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ محسن کمال ہنر مندی سے یہ منازل طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ محسن اعظم محسن ملیح آبادی کے کلیات ''دوہا آرام''، میں شامل چار مجموعوں کے نام اور ان کا تنوع ملاحظہ ہو:

۱۔ دوہا پرندھام	(مقامِ اعلیٰ.... خلد)	متفرق مضامین
۲۔ رُوپ نِدھان	(معدنِ جمال.... مقامِ حسن)	جمالیات
۳۔ جیون دھام	(مقامِ حیات.... دنیائے فانی)	زندگی اور اس سے جڑے ہوئے مضامین
۴۔ دوہا اُدّیان	(گلستان.... سیر گاہ.... جھیل)	پھول، پھل، سبزیاں.... ان کے خواص

یہ منظر پوری زندگی کا ہے اور پوری زندگی کا بیان مکمل شاعر کا تقاضا کرتا ہے۔ یہاں ہمیں بلاشبہ محسن پورے شاعر کے رُوپ میں دکھائی دیتے ہیں۔اُنھوں نے اس تنوع کو جس خوبصورتی کے ساتھ سمیٹا ہے، وہ اس بات پر دال ہے کہ اُن کی شخصیت شاعر سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ وہ کہیں ایک فلسفی کے رُوپ میں دکھائی دیتے ہیں تو کہیں سائنس دان کے۔ کہیں جوگی کا چولا پہن لیتے ہیں تو کہیں کسی خانقاہ میں خرقۂ خلافت کو زینت بخشتے نظر آتے ہیں۔ کہیں ناصحانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہیں تو کہیں رندِ خراب حال کی صورت۔ کہیں عاشقِ صادق کی طرح جوئے شیر کھودنے میں منہمک ہیں تو کہیں عقلی گتھیاں سلجھانے میں محو۔ کہیں نباضِ ملت کا رُوپ دھار لیتے ہیں تو کہیں مؤرخ کی شبیہ۔ان کے دوہوں میں شاہد و مشہود، ناظر و منظور، سامع و مسموع، مدیر و مدار اور نقطہ وانسلاک کی وہ جولان گاہ ہے، جو کہیں اور دکھائی نہیں دیتی۔ غرضیکہ ایک کہکشاں ہے، جہاں ہر رنگ دوسرے سے مختلف ہے۔

محسن کا شمار اُن فنکاروں میں ہوتا ہے، جو اپنے زمین و آسمان کے ساتھ میدانِ عمل میں اُترتے ہیں۔ قوتِ بازو پر بھروسا رکھتے ہیں۔اُن کی فکری، لسانی اور شعری تشکیلات خالص اور ہر زاویے سے منفرد اور پختہ ہیں۔اُن کا منظر اُجلا، شفاف، دوٹوک اور آلائشوں سے پاک ہے۔ کہاں، کیوں، کیسے، کون اور کیا کی فضا پوری طرح متشکل ہو کر بھی ابہام سے دُور ہو جاتی ہے۔ جو محسن کا کمال ہے۔البتہ نئی زبان کا اتصال عام قاری کی راہ میں رکاوٹ بھی ہے۔ بجا سہی کہ اُنھوں نے ہر صفحے کو مفاہیم سے سجایا ہے لیکن آنچ بھر کسر کھٹکتی ضرور ہے۔یہ معاملہ صرف محسن تک محدود نہیں، کیونکہ دوہے کی کلاسیکی بانی بھی عامۃ الناس کی سمجھ سے بلند ہے۔ بیشتر اُردو دوہانگاروں کے یہاں اس کی جھلک موجود ہے۔اس مختصر تجزیے میں ممکن نہیں کہ اُن کی تمام جہات کا احاطہ کیا جا سکے، البتہ ایک ذائقہ، ایک رنگ، ایک اشاریہ بہر حال نظر آ سکتا ہے:

"جو اپنوں کے ون سے کرتا ہے اشنان / ایسے مانش سے بڑا ہوتا نہیں شیطان گونجے بس تیری
صدا تیری سُنوں آواز / دروازہ من کا مرے نتیہ رکھنا باد تن سے تن کی آگ بجھانا سمجھی ہے وہ
پیار / یون کے مدماتے پن سے کامکی ہے وہ نار" (۱۸)

دوہے کے نئے ابعاد کو جہاں ان دو بڑے شاعروں کے نام سے تابانی ملتی رہے گی؛ وہاں ہندوستان کے وہ شاعر بھی لائق توجہ ہیں جنھوں نے دوہے میں ہونے والے تجربات میں شرکت کر کے اس کی حیات نو میں حصہ لیا۔ڈاکٹر فراز حامدی ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی بھگوان داس اعجاز ڈاکٹر ودیا ساگر آنند شمیم انجم وارثی وقیع منظر شاہد جمیل ساغر جیدی امام قاسم ساقی وغیرہ ایسے شاعر ہیں جن کا نام دوہانگار کی حیثیت سے جگمگاتا رہے گا۔

حوالہ جات:

۱۔ اعظم کُریوی، ڈاکٹر، ہندی شاعری، سگما پرنٹنگ پریس، اسلام آباد، طبع دوم، ۲۰۰۹ء، ص 4
۲۔ ایضاً، ص ۲۸
۳۔ ایضاً، ص ۶۴
۴۔ ایضاً، ص ۱۶۴
۵۔ ایضاً، ص ۱۲۴
۶۔ گوپی چند نارنگ، پروفیسر، امیر خسرو کا ہندوی کلام مع نسخہ برلن ذخیرۂ اشپرنگر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۴
۷۔ ہری اودھ، بھگت کبیر فلسفہ و شاعری، مترجم سرسوتی سرن کیف، مشتاق بک کارنر، لاہور، س ن، ص ۴۷
۸۔ میرا شخصیت اور فن، مرتبہ ثروت خان، ڈاکٹر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰۲
۹۔ اعظم کریوی، ڈاکٹر، ہندی شاعری، ص ۱۱۳
۱۰۔ زٹل نامہ (کلیاتِ جعفر زٹلی) مرتب، رشید حسن خاں، انجمن ترقیِ اردو ہند، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص ۲۶۰
۱۱۔ دل محمد، خواجہ، بیت کی ریت، نُور کمپنی، لاہور، س ن، ص ۸۱
۱۲۔ جمیل الدین عالی، دوہے، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور / کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۴۷۔۴۶
۱۳۔ ندا فاضلی، شہر میں گاؤں، رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۵ء، ص ۵۰۰
۱۴۔ ودیا ساگر آنند، دوہار نگ، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء، ص ۹۲
۱۵۔ طاہر سعید ہارون، ڈاکٹر، پریم رس، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۹
۱۶۔ طاہر سعید ہارون، ڈاکٹر، میگھ ملھار، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۱۷۸
۱۷۔ طاہر سعید ہارون، ڈاکٹر، جیوتی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۵ء ص ۹۲
۱۸۔ محسن اعظم محسن، ملیح آبادی، خیام العصر، دوہا آرام، جہان حمد پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۸ء، صفحات ۲۲۳۔۳۱۰۔۹۱۳